بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

سال اقبال

اس سال سرکاری اور عوامی سطح پر بڑے جوش و خروش سے سال اقبال منایا گیا۔ جس کا اختتام لاهور بین الاقوامی اقبال کانفرنس پر هوا۔ جس میں مشرق اور مغرب کے دانشمندوں نے فکر اقبال کے مختلف گوشوں پر مقالات پڑھے۔ بے شبہ اقبال پر برصغیر کی تمام قومیں بالعموم اور مسلمان بالخصوص فخر کرتی هوئی یہ کہہ سکتی هیں کہ صدیوں کے بعد ان کی صفوں میں ایک ایسا مرد قلندر نمودار هوا جس نے اپنی پیغمبرانہ شاعری اور آسمانی بصیرت کے بل پر برصغیر کے لوگوں کو زندگی کے حقائق سے آگاہ کیا اور بتایا کہ یہ عمل هی کا فرشتہ هے جو قوموں کے سر پر سیادت و قیادت کا تاج رکھتا هے۔ مسلمانوں کو ان کی تاریخ سے باخبر کرتے هوئے یہ بتایا کہ عہد حاضر میں اخلاقی بنیادوں پر ایک ایسی سوسائٹی کا قیام ناگزیر هوگیا هے، جو استحصال اور استبدادیت کے هر نشان سے پاک هو، یہی سوسائٹی دکھی انسان کو سہارا دے سکتی هے۔ اقبال اپنے گہرے مشاهدے اور ٹھوس مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ رنگ، نسل، زبان اور عقیدہ سے بالاتر معاشرے کا قیام هی بنی نوع انسان کے لئے سود مند هو سکتا هے، اور اسلام نے اس سلسلہ میں تاریخ میں عملی تجربہ بھی فراهم کردیا هے۔ اگر اس تجربہ کو پھلنے پھولنے کی اجازت دی

جاتی تو آج نہ صرف مسلمانوں بلکہ بنی نوع انسان کی تاریخ دوسری ہوتی۔

یہاں اس بات کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ روحانی اور اخلاقی قدروں سے اقبال کی اسی وارفتگی و شیفتگی نے ان سے یہ کہلوایا کہ مسلمانوں کو از سرنو اسلام کے عالمگیر اصولوں اخوت، مساوات، محبت اور انصاف کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل کرنی چاہئے، تاکہ اس کے دامن سے عرب ملوکیت کے دھبہ کو دھویا جا سکے۔ مزید یہ کہ موجودہ وقت میں مغربی سرمایہدارانہ نظام اخلاقی نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔ اس قسم کی بات سٹیٹ بنک آف پاکستان کی ایک تقریب میں بانی پاکستان نے بھی کہی تھی، کہ موجودہ وقت میں مغرب کا اقتصادی نظام انسان کی مشکلات کو حل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسی مثالی معاشرے کے قیام کے لئے اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا پاکستان بن جانے کے بعد پاکستانی قوم نے اپنے اجتماعی، ثقافتی اور سیاسی مسائل کو فکر اقبال کی روشنی میں حل کیا ہے ؟ جواب میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ پاکستانی تاریخ شاید اس ماتم سے کبھی فارغ نہ ہوسکے کہ ہم نے اقبال اور جناح کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا، جس کے نتیجے میں ہم خوفناک اخلاقی اور سیاسی بحران کا شکار ہوئے۔ اقبال کی تعلیمات سے تغافل برتنے کی ایک مثال یہ ہے کہ اقبال کے قیمتی انگریزی لیکچرز کو جو عہد جدید میں اسلام کی تشکیل نو میں ایک انوکھی دستاویز ہے، آج تک ہم اچھے ڈھنگ سے شائع نہ کر سکے۔ کیا پاکستان میں شائع شدہ نسخے کو ہم دنیا کے کسی سکالر کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ؟ اس کی ذمہ داری جس پر بھی ہو مگر یہ ایک قومی المیہ ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ان انگریزی لیکچرز کا عربی ترجمہ کئی بار قاہرہ سے شائع ہوچکا ہے جو اپنی چند خامیوں کے باوجود پاکستان کے انگریزی اور اردو ایڈیشن سے بہتر ہے۔

•

چنانچہ ہماری پاکستانی سکالرز سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کا نفیس ترین ایڈیشن شائع کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کریں جو اسلامی اور مغربی فلسفہ کے ماہرین پر مشتمل ہو۔ تاکہ اس کتاب پر تشریحاتی نوٹ لکھے جا سکیں۔ اس سلسلہ میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور کے فاضل ڈائریکٹر نے کام بھی کیا ہے، جس کا ایک حصہ ہم نے بھی دیکھا ہے۔ اس کتاب کا نہ صرف دانش گاہوں بلکہ دینی مدراس میں بھی پڑھایا جانا ضروری ہے ہے۔ اگر یہ کتاب درس نظامی کا حصہ ہوتی تو آج فکر اسلامی کی تشکیل نو کا مسئلہ ہمارے سامنے صاف اور واضح ہوتا۔ ایسے ہی فلسفہ سیاست کے ماہرین کا فرض ہے کہ وہ اقبال کے سیاسی افکار کی روشنی میں یہ بتائیں کہ ہم اپنے اجتماعی اور سیاسی فساد (corruption) پر کیوں کر قابو پاسکتے ہیں؟ ہمیں اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں تک اپنی خودی کی تربیت واستحکام میں کامیاب ہوئے ہیں کیا ہماری قومی خودی دریوزہ گری کی جو اخلاقی زندگی کے لئے انتہائی مہلک ہے، اجازت دیتی ہے؟ سال اقبال کا ہم سے یہ جائز مطالبہ ہے کہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل پر سوچ بچار کریں واقعہ یہ ہے کہ آزاد بحث اور نقد و تبصرہ کی راہ پر چل کر ہی ہم اقبال و جناح کی مقدس سرزمین کی صحیح طور پر خدمت کرسکتے ہیں۔